

پیغمبر اسلام

تاریخ کے پس منظر اور پیش منظر میں
: کوثر نیاز سے :

اگر افراد کی سیما و زندگی کو معیار سمجھا جائے تو چودہ سو سال کا عرصہ خاصا لمبا معلوم ہو گا، اور اگر اس سے ذرا آگے قدم بڑھایا جائے اور قوموں کی زندگی کی سیما کو معیار بنالیا جائے تو یہ زیادہ سے زیادہ سو سو افسوں میں سمٹ جائے گا اور اس کے بعد کا احساس بہت کم ہو جائے گا لیکن اگر اس کو دنیا کی ایسی عصر ساز تحریکوں کے نقطہ نظر سے دیکھا جائے جو عالم انسان کی فلاح و بہبود کے لئے جاری ہوئیں اور جن کے اثرات نے انسانی تاریخ کے دھارے اس طرح موڑے کہ انسان موجودہ دور تک ترقی کی منزلیں طے کرنے میں کامیاب ہو سکا، تو یہ طویل اور بعید عرصہ کل کی بات معلوم ہوتا ہے۔ اور آدمی حیرت زدہ ہو کر یہ سوچنے لگتا ہے کہ ایک فرد واحد کی آواز میں یہ اثر کیسے اور کیوں کر پیدا ہوا، کہ اس آواز نے نہایت قلیل مدت میں تاریخ کے متوقع راستوں کو بدل کر انسان کو اس راستے پر ڈال دیا ہے کہ اس کی تاریخ کے کوکھ سے مشتری شکار دور جنم لے سکے۔

لیکن یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ ایسا ہی ہوا اور اس سے انکار ممکن نہیں ہے۔ آج سے چودہ سو برس پہلے کی دنیا عجیب و غریب تھی۔ یورپ ایک وسیع و عریض خطہ زمین تھا جسے چند خاندانوں یا چند قبیلوں نے آپس میں بانٹ لیا تھا، اور جو آپس میں عام دیہاتی زمینداروں کی طرح پانی کی باری یا مویشیوں کی کمی بیشی پر لڑا کرتے تھے، ان میں سے کسی کو کپاس کا علم نہ تھا۔ جانوروں کی کھالیں لباس کے نام سے اڑھی جاتی تھیں۔ انگریزی کا مشہور ڈرامہ نویس ولیم شکسپیر ملکہ الزبتھ اول کے عہد کا انگریز اور تترھویں صدی عیسوی کا انسان ہے۔ اس کی زندگی کی سب سے بڑی خواہش یہ رہی کہ وہ ایک ملکیہ حاصل کر سکے جس پر سر رکھ کر سونے کی عیاشی اس کے لئے مقدّر ہو سکے، اس ایک واقعہ سے آپ انگلستان کی معاشرتی اور سماجی زندگی کا اندازہ کر لیجئے اور اس سے تقریباً گیارہ سو سال پہلے کی زندگی کو قیاس کر لیجئے۔ تمہیں کوئی گمان نہ ہوگا کہ انسانی تاریخ میں ماسکو پر حملہ کیا تھا۔ اس

وقت ماسکو کلرٹری کے بنے ہوئے پانچ سو گھروں پر مشتمل تھا جس کے رہنے والوں کو برغالی طوفانوں سے بچنے کی کسی ترکیب کا کوئی علم نہ تھا۔ اس سے تقریباً سات سو سال پہلے آج کی دنیا کے اس عظیم شہر کی سماجی، سیاسی اور اقتصادی حیثیت کا قیاس اس ایک واقعہ سے کرنا کچھ ایسا مشکل نہیں، یہ آج سے چودہ سو برس پہلے کی مغربی دنیا ہے۔

مشرق اس سے بہت زیادہ آباد، بہت زیادہ ترقی یافتہ، کہیں زیادہ مہذب اور فکری میدان میں بہت سی منزلیں طے کر چکا ہے۔ مثلاً چین میں کنفیوشس پیدا ہو چکا تھا اور اس کی تعلیمات تقریباً ایک ہزار سال تک چینی ذہن کی تربیت کرتی رہی تھیں۔ چین کے جدید مؤرخین کے دعوؤں کے مطابق چین میں کاغذ تیار ہو چکا تھا اور تاریخ نویسی کا باقاعدہ آغاز ہو چکا تھا۔ شعری ادب ترقی کر چکا تھا۔ ریشم کا کپڑا تیار ہونے لگا تھا، چین ترقی کی اس منزل پر پہنچ گیا تھا جہاں سے عالمی تجارتی استعمار کا دور شروع ہوتا ہے۔ لیکن یہ دنیوی اور فکری ترقی کا مفہوم اولاد آدم کے نقطہ نظر سے کیا تھا یہ بالکل مختلف کہانی ہے۔

کنفیوشس کا فلسفہ مزارع کو زمیندار کا، مزدور کو کارخانہ دار کا، رعایا کو درباری امیروں کا، اور ان کی دماغیت سے شہنشاہ و معظم کا غلام بنانے کے کام پر اس طرح جوت دیا گیا جس طرح بے زبان بیل بلی میں جوت دیا جاتا ہے۔ اس فلسفے نے بڑے کے احترام کے نام پر چھوٹے کو ایسی اخلاقی زنجیروں میں کس دیا ہے کہ وہ بڑے کی ہر بے انصافی اور طاقت ور کے ہر استبداد کو خاموشی سے سہ جائے اور زبان سے آف تک نہ کرے ، کنفیوشس نے یہ کہا تھا یا نہیں، یہ الگ موضوع ہے لیکن بلا دست نے اُسے یہی بنا دیا، اس سے جدید اور قدیم چینی مؤرخ انکار نہیں کر سکتے۔ ملک کی اتنی سی صد اکثریت میں فی صد اقلیت کی اقتصادی فلاحی میں اس طرح جکڑ دی گئی کہ ہزاروں انقلابات اس اقتصادی جبر و استحصال کا کوئی علاج نہ کر سکے اور اتنی سی صد آبادی بے کپانہ اور بے رحمانہ غلامی میں زندگی گزارنے پر اس طرح مجبور ہوئی کہ ایک گھر کے چار افراد میں تو صرف ایک جوڑا کپڑا گھر میں موجود ہے۔ ایک فرد اس ایک جوڑے سے تن دھانپ کر محنت مزدوری کے لئے باہر نکلتا ہے اور باقی کے تین افراد نیم برہنگی یا مکمل برہنگی کے عالم میں جھونپڑے میں بند رہنے پر مجبور ہو جاتے ہیں۔ اس پس منظر میں ریشم کی دریافت اور ریشمی کپڑے کی صنعت میں ترقی، کاغذ کی دریافت، تاریخ نویسی کی ابتداء اور برآمدی تجارت کے لئے نئے راستوں کی دریافت کس قدر بے معنی اور بے مصرف معلوم ہوتی ہے۔ چین اپنی تمام تر ترقیوں کے باوجود یورپ سے ایک قدم آگے معلوم نہیں ہوتا۔

اس دنیا کا دوسرا ترقی یافتہ ملک ہندوستان ہے۔ آج کا بھارتی مؤرخ بڑی آن بان سے ہندوستان کی بے پناہ ترقیوں کا ذکر کرتا ہے اور اس کو یقیناً ان ترقیوں پر فخر کرنے کا حق حاصل ہے اس میں کوئی کلام نہیں کہ ہندوستان کی مٹی نے اس ملک کے غیر ملکی حاکموں میں سے ایک حاکم کو مہاتما بدھ کے نام سے تاریخ کی دستخطوں میں اُچھال دیا تھا۔ اس نام نے ہندوستان کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک انسان دوستی کا غلغلہ بلند کیا، اور لاتعداد خداؤں کی اس دنیا میں ایک ایسا بے خدا معاشرہ پیدا کرنا چاہا جو خدا کے وجود سے حتیٰ اور قطعی طور پر انکار کر دے اور انسانی جبلت کے نیک پہلو پر انسانی فلاح و بہبود کا تاج محل تعمیر کر لے، اس ہندوستان میں اسی نظریاتی قوت کے تحت ایک سیاسی طاقت پیدا ہوئی جس نے اشوک اعظم کے نام سے مختلف سیاسی وحدتوں میں بیٹے ہوئے اس خطہ زمین کو چندوں کے لئے ایک سیاسی وحدت میں بدل دیا۔ بے شمار ترقیاں ہوئیں، بتایا جاتا ہے کہ اس عہد میں سونا اچھا تلتے گزر جائیے چوری چکاری کا کسی کو کوئی خطرہ نہ تھا۔ ہر آدمی روٹی کھاتا تھا، یہاں تک کہ برہمنی دور کی وہ ہونک صورت بھی باقی نہ رہی تھی جسے ذات پات کی تقسیم کے گھناؤنے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ انسان خواہ وہ مفتوح غلام "شودر" ہو یا فاتح اور مالک کھستری اور اس کا دامغ برہمن سب یکساں تھے اور مہاراج ادھیراج سب کی سنتے اور سب کی مدد کو پہنچتے تھے۔ آریہ نسل کے متعین اور معروف اصولوں کے ہونک انسان کش مظالم کی داستان کے درمیان یہ داستان بڑی خوش آئند اور انتہائی خوبصورت معلوم ہوتی ہے، جلتے صحرا کے درمیان نخلستان کہئے لیکن یہ کتنا کم سواد اور تھوڑی عمر والا دور تھا اور اس کے بعد کیا ہوا۔ مہاتما بدھ کو کیوں خداؤں میں شامل کر کے معبود کا درجہ دے دیا گیا۔ سیاسی زبان میں ایک چھوٹی سلطنت کو بڑی سلطنت نے اپنے اندر ضم کر کے اپنا اوٹ انگ بنالیا، مذہبی زبان میں برہمنیت کی دیو مالا میں ایک اور دیوتا کا اضافہ ہو گیا۔ بدھ مہاراج ان معنوں میں ہندومت کا اوٹ انگ بنے کہ یہ بھی ہندوؤں کے لاتعداد فرقوں میں سے ایک فرقہ کے معبود ہیں۔ سماجی زبان میں یہ نہیں بودھ مت کے ماننے والے برہمن اور کھستری کے ساتھ شادی نہیں کر سکتے۔ برہمن اور کھستری اس کے ہاتھ کا پکا نہیں کھائیں گے ان کے کنوئیں کا پانی نہیں پیتیں گے کوئی بودھ ان کے چوکے میں داخل نہیں ہو سکے گا۔ ان حد بندیوں کے بعد بودھ مت، ہندومت کا اوٹ انگ ہے، تاریخی طور پر بودھ مت تحریک کا مسئلہ ہمیشہ کے لئے ختم ہو گیا، برہمنی سامراج نے بجا طور پر اعلان کر دیا کہ بودھ مت اب کوئی مسئلہ نہیں، اس نظریہ حیات کو بانجھ کر دیا گیا ہے اس کی کوکھ سے کوئی اشوک اعظم جنم نہیں لے گا اور یہی ہوا بھی کوئی اشوک پیدا نہیں ہوا۔

بند سے بند ترنگھاس پر قابض ہو گیا اور کسی بودھ نے مہاتما بدھ کے نظریات کے نام پر اس انسان کُشی کے خلاف کوئی آواز نہیں اٹھائی۔

اس دنیا کا تیسرا مہذب اور ترقی یافتہ حصہ وہ تھا جسے آسانی کے لئے ایران کی سلطنت کہا جاتا ہے، یہ متعدد جغرافیائی وحدتوں کے مجموعے کا نام تھی جو درفش کاویانی کے سائے میں متحد کر دی گئی تھیں۔ اس کا سب سے شاندار دور نوشیروان عادل کا دور ہے جس کی سائنس میں شیخ سعدی شیرازی جیسے محقّق اور غیر جانبدار شاعر نے اپنا نور بیان صرف کیا اس حکایت کو زندہ جاوید بنا دیا کہ نوشیروان نے ایک غریب بڑھیا کی خاطر اپنے محل کی کچی کو بھی نظر انداز کر دیا، لیکن اس حکایت کی مقبولیت کے عقب میں جو بات نہاں ہے وہ یہ بھی ہے کہ نوشیروان عادل سے پہلے اور بعد ایسی کئی غریب بوڑھی عورتیں دب کر رہ گئی ہوں گی جن کی رات کے مقابلے میں نوشیروان کا یہ چراغ سورج کی طرح چمکتا نظر آتا ہے۔ تفصیلات کی گنجائش نہیں۔ اس حکایت کے پس منظر میں بے انصافی اور جبر و استحصال کی مکمل تصویر آسانی سے دیکھی جاسکتی ہے۔

اس دنیا کا چوتھا مہذب ملک یونان ہے جسے یورپ والے اپنا کہتے ہیں، ایشیا والے اس پر اپنا دعوے جتاتے ہیں۔ یہ اس کی عظیم مقبولیت کی دلیل ہے اور یہ مقبولیت بے بنیاد نہیں۔ اس میں ارسطو، بقراط اور افلاطون جیسے قادیمری فکر پیدا ہوئے جنہیں آج کی دنیا بھی اپنا استاد مانتی ہے۔ انہوں نے سیاست، تاریخ، سائنس، حکمت، اقتصادیات، نوآبادیات غرض ماڈرن زندگی کے ہر شعبے کے لئے راہیں مہیا کیں۔ حد یہ ہے کہ ہمارے یہاں درس نظامی میں ان کے فلسفہ و منطق کے اصول اور مبادیات کی تعلیم آج بھی دی جاتی ہے۔ انہوں نے زندگی کے ہر شعبے میں عالم انسان کی قیادت کا حق ادا کر دیا، لیکن یہ دنیا تھی کیا؟ وہ کیسا معاشرہ تھا جس نے کسی تقریباً غیر فانی نام تاریخ میں محفوظ کر دیئے، یہ الگ داستان ہے۔ اس میں مفتوح قومیں اس طرح غلام بنائی گئیں کہ ان کا نام و نشان مٹ گیا۔ جمہوری ریاست کے شہری صرف حکمران قوم کے فزول تھے اور یہی وہ لوگ تھے جو دوٹوں کے ذریعے مفتوح اقوام پر حکومت کرتے تھے۔ ان کے دوٹ قانون بناتے تھے جو مفتوحوں پر نافذ العمل ہوتے تھے مگر فاتحین پر اثر انداز نہیں ہو سکتے تھے۔ مفتوح اقوام کی اکثریت پر فاتح قوم کی متحدہ آمریت کو جمہوریت کے نام سے مسلط کر دیا گیا تھا۔ یہی یونان کی شہری جمہوریت تھی مفتوح قوم کے سر بازار نیلام ہوتے ہوئے ناموس، بیٹریجیوں کی طرح بحتی ہوئی جوانیاں، انصاف سے مایوس ہونے والے مفتوحوں کی خودکشی ان کا قتل عام اور ان کی زندگی بیزار زندگی کے پس منظر میں سقراط کے مقابلے اور بقراط کی

جمہوریت کا مطالعہ بڑے بڑوں کے پتے پانی کر دیتا ہے اور یہ بڑے بڑے خیالات یکسر لغو اور بے معنی معلوم ہونے لگتے ہیں۔ رومنوں کی عظیم سلطنت اس کا منطقی نتیجہ معلوم ہونے لگتی ہے۔

یہ وہ دنیا تھی جو آج سے سینکڑوں سال پہلے تک قائم تھی۔ اس پس منظر کو ذہن میں رکھ کر ذرا تصور کیجئے کہ یہ دنیا انسانی تاریخ کے لئے کیا خطوط عمل متعین کرتی ہے اور اس سے کیا قیاس ہوتا ہے کہ آنے والی دنیا اگر انہی خطوط پر چلتی رہی تو اس کا رنگ کیا ہو گا۔ آپ اگر خود غور کریں تو اس کا نقشہ ہم سے بہتر قائم کر سکیں گے، ہماری سمجھ میں جو کچھ آتا ہے یہ ہے کہ یہ دنیا بالادستوں کی جنت اور زیر دستوں کے لئے دوزخ ہونی چاہیے۔ یہ طاقت کی دنیا ہے جو طاقت ور ہے وہ کمزور کو غلام بنائے گا، فاتح مفتوح کو کچل کر شور و بنا دے گا۔ انسان انسان کو اس طرح نکل جائے گا کہ اس کا کوئی نشان باقی نہ رہے۔

اس ہونا کہ توقع کے درمیان آج سے صرف چودہ سو سال پہلے عرب کے دور افتادہ اور الگ تنہا علاقے میں مکہ کے ایک تاجر کے ہاں ایک بچہ پیدا ہوا۔ جس نے یثیبی میں آنکھ کھولی۔ غریبی میں پل کر جوان ہوا، اور جب نبوت کے فوز عظیم سے سرفراز ہوا، تو اس کی آواز نے ان سارے تصورات کو باطل کر دیا اور دنیا کا متوقع نقشہ بدل گیا۔ صلی اللہ علیہ وسلم۔

اس بدلے ہوئے نقشے میں ہمیں بعض عجیب و غریب چیزیں نظر آتی ہیں:-

۱ دنیا میں کوئی ایک قوم باقی نہیں جو وحدانیت کی قائل نہ ہو، اور بت پرستی کو قابلِ فخر مذہب سمجھتی ہو۔ یہاں تک کہ نہایت سخت جان برہم و دھرم بھی ہتھیار ڈال رہا ہے۔

۲ دنیا میں کوئی ایک قوم باقی نہیں جو کم از کم نظری طور پر انسان پر انسان کی برتری کو بطور حق قبول کرے، اور اس کا اعلان کر سکے۔ انسانی برادری کا تصور بطور فلسفہ زندگی کے پوری دنیا میں راسخ ہو چکا ہے۔

۳ دنیا میں کوئی ایک قوم باقی نہیں جو بلند آواز سے یہ دعویٰ کر سکے کہ وہ دوسری قوم کے مال کو بغیر حق غضب کر لینے کی حق دار ہے اور اس لئے حق دار ہے کہ وہ طاقت ور ہے۔ گویا طاقت کا قانون غیر متعلق نہیں تو غصہ معمول ضرور ہو چکا ہے اور عمل کے دائرے میں نہیں تو زبان اور بیان کے دائرے میں طاقت کے قانون پر فخر کرنے والا کوئی باقی نہیں۔ آج کی دنیا میں نوشیروان عادل کی کہانی مقبول نہیں ہو سکتی، یہ معمول کا حق ہے جس میں تعجب انجیز کہانی بننے کا کوئی مواد باقی نہیں رہا۔

۴ دنیا کی کوئی قوم ایسی نہیں جو اپنے ملک کو غیر حکومت قائم کرے اور اس کے بغیر حکومت قائم کرے۔

کرنے والی قوم اقوام عالم کی برادری میں محسوس بھی جائے گی اور برداشت نہیں کی جائے گی۔

یہ چند بنیادی تبدیلیاں ہیں اور اس فہرست میں اضافے کی بہت کچھ گنجائش باقی ہے۔ یہ ہم لوگوں کی کمزوری اور پختی ہے کہ دنیا کی اکثریت اس جتنی مقدس و مطہر صلی اللہ علیہ وسلم سے ہدایت و رہنمائی حاصل کرنے کا اعتراف کرنے میں ہچکچا رہی ہے لیکن اس حقیقت سے تاریخ عالم کا کوئی معمولی سے معمولی اور بڑے سے بڑا طالب علم انکار نہیں کر سکتا کہ بادی کا اقرار و اعتراف کرنے کی سعادت سے محروم ہونے کے باوجود دنیا "ہدایت" پر عمل کر رہی ہے اور آج کی ترقی یافتہ قوموں میں کوئی ایک قوم ایسی نہیں جس نے ان ہدایات پر شعوری یا غیر شعوری طور سے عمل کئے بغیر ترقی کی ہو، یہ بے مثال اور غیر فانی معجزہ آج کی تاریخ کا بے حد نمایاں پہلو ہے کہ لا الہ الا اللہ پر ہر جگہ عمل ہو رہا ہے یہاں تک کہ روس اور چین بھی اس سے متاثر نہیں۔ پچھلے ہی سال عوامی جمہوریہ چین کے عظیم رہنما ماؤزے تنگ ایک امریکی اخبار نویس سے یہ کہتے سنے گئے تھے کہ

"میں اپنے خدا سے ملنے کی تیاریاں کر رہا ہوں۔"

یہ لا الہ الا اللہ کی کامیابی کی بڑی نمایاں مثال ہے۔ اس کلمہ طیب کے دوسرے حصے "محمد رسول اللہ" تک آنے کے لئے دنیا کو ابھی دقت کی ضرورت ہے اور جس طرح آج سے صرف ایک ہزار سال پہلے کوئی یہ نہیں کہہ سکتا تھا کہ کلمہ طیب کا ایک حصہ اس طرح پوری دنیا کا جزو ایمان بن جائے گا۔ اسی طرح آج یہ دعویٰ کرنے میں سب کو شامل ہے کہ اس کے دوسرے حصے پر بھی جلد عمل ہو گا۔ لیکن ہم ملامی و جہ البصیرت یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ ایسا ہو گا۔

تاریخ کے وہ دھارے جنہیں آج سے چودہ سو برس پہلے اس رخ پر موڑا گیا تھا اگر ایک حصے تک پہنچ سکتے ہیں تو دوسرا حصہ زیادہ دور نہیں سمجھا جاسکتا۔

